اقبال کا تصور فرد و ملت اور اصلاح معاشرہ

Iqbal's Concept of the Individual, Nation, and Social Reform

ڈاکٹر بابر نسیم آسی

صدر شعبۂ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال شاہد

پروفیسر ایمریٹس شعبۂ فارسی، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Dr. Babar Naseem Assi

Chairperson, Department of Persian, GC University, Lahore

Prof. Dr. Muhammad Iqbal Shahid

Professor Emeritus, Department of Persian, GC University, Lahore

Abstract:

Allama Muhammad Iqbal is considered among those distinguished figures who awakened the Muslim Ummah through his poetry, delivering messages of self-awareness, selfhood (khudi), and continuous action. The core of his thought revolves around the Islamic Renaissance, individual reform, and the establishment of a virtuous society. In his poetry, he highlighted themes of individual development and societal transformation. He chose to write in Persian because it expressed his profound thoughts and philosophy more effectively. In Asrar-e-Khudi, Iqbal presented the concept of khudi (selfhood), which is essentially the realization of the self. Once the individual attains self-realization, he integrates himself into the collective whole. By reminding Muslims of their lost glory, he calls them toward unity. In his view, the remedy for the Ummah's decline lies in education, character-building, and adherence to the exemplary life of the Prophet Muhammad (peace be upon him).

Keywords: Allama Muhammad Iqbal, distinguished figures, Islamic Renaissance, societal transformation, self-realization, character-building

دنیا کی تاریخ میں ایسے مفکر اور شاعر کم ہی پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے نہ صرف ادب و فن کی دنیا کو متاثر کیا بلکہ ملتوں اور تہذیبوں کے فکری و روحانی ارتقاء میں بھی مؤثر کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر علامہ محمد اقبال (1877–1938) کا شمار ایسی ہی شخصیات میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی شاعری کے ذریعے مسلم اُمت کو بیداری، خودی، حریتِ فکر، اور عملِ پیہم کا پیغام دیا۔ اقبال کے افکار کا مرکز و محور اسلامی نشاۃِ ثانیہ، خودی کی تعمیر و اصلاح فرد، اتحادِ ملت اور ایک عادل و صالح معاشرے کا قیام ہے۔ اقبال نے جس طرح اپنی شاعری میں فرد کی تربیت اور

معاشرتی تبدیلی کے موضوعات کو اجاگر کیا، وہ اردو ادب اور اسلامی فکر دونوں میں بے مثال مقام رکھتی ہے۔ انہوں نے اپنی شاعری کو فقط جذباتی اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ ایک علمی، فکری اور روحانی تحریک کا منبع بنایا۔

اقبال کے نزدیک اصلاحِ معاشرہ محض ایک سیاسی یا سماجی عمل نہیں بلکہ ایک ہمہ گیر روحانی و فکری بیداری کا نام ہے۔ ان کے خیال میں فرد کی اصلاح، خودی کی تعمیر، دین کی اصل روح کی طرف رجوع، عشقِ حقیقی، اور عملِ مسلسل وہ ستون ہیں جن پر ایک اصلاحی معاشرہ تعمیر ہو سکتا ہے۔ اقبال کا تصورِ اصلاح نہایت جامع ہے جو فرد سے لے کر ملت، اور ملت سے لے کر انسانیت تک پھیلا ہوا ہے۔

علامہ اقبال کے نزدیک فلاحی معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جو اسلامی اصولوں پر قائم ہو، جہاں ہر فرد کو مساوات، عدل، اور آزادی میسر ہو، اور جہاں روحانی و مادی ترقی دونوں کا امتزاج موجود ہو۔

علامہ اپنا شاعری کا پہلا مجموعہ "اسرار خودی" منظر عام پر لائے تو اس کے آغاز میں انھوں نے رومی کے تین اشعار نقل کیے جس میں رومی نے انسان کامل کی بات کی ہے کہ شیخ کل شہر میں چراغ لے کر گھوم رہے تھے کہ میں ان حیوانوں اور درندوں سے تنگ آ گیا ہوں اور مجھے انسان کامل کی تلاش ہے۔ میں ان سست طبع لوگوں سے عاجز آ چکا ہوں، مجھے تو شیر خدا حضرت علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم اور رستم پہلوان جیسے بہادروں کی تلاش ہے۔ میں نے کہا کہ جسے آپ تلاش کر رہے ہیں، وہ نہیں ملتا تو انہوں نے جواباً کہا کہ وہ جو نہیں ملتا، مجھے اسی کی آرزو ہے:

دی شیخ با چراغ همی گشت گرد شهر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زین همرهان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم که یافت می نشود جسته ایم ما
گفت آنچه یافت می نشود آنم آرزوست

(رومی، جلال الدین، ص ۲۰۳)

مذکورہ بالا وہی مثالی انسان ہے جو اپنی فکر اور کردار سے معاشرے کی اصلاح کرتا ہے اور اسے فلاحی ریاست بنانے کے لیے تگ و دو کرتا ہے۔ اقبال اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ اشیا میں سے کسی کو فالتو خیال نہیں کرتے بلکہ ایک مثالی ریاست کے قیام کے لیے اس کا وجود لازمی خیال کرتے ہیں۔ اسرار خودی ہی کے آغاز میں تمہید کے طور پر انہوں نے نظیری نیشاپوری کا ایک شعر نقل کیا ہے کہ میرے جنگل کے خشک و تر میں کچھ بھی ناقص نہیں ہے بلکہ جس درخت کی لکڑی سے منبر نہیں بنتا، میں اس سے دار یعنی پھانسی گھاٹ بنا لیتا ہوں:

نیست در خشک و تر بیشۂ من کوتاہی
چوب ہر نخل کہ منبر نشود، دار کنم

(نظیری نیشاپوری، ص ۲۴۲)

اقبال سمجھتے ہیں کہ معاشرے کے تمام افراد اکائیوں کی مانند ہیں اور مختلف النوع خوبیوں کے مالک ہیں جن کی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال اور اعلیٰ اخلاقی وروحانی اقدار کی پیروی کے ساتھ ایک اصلاحی معاشرے کا قیام امن میں لایا جاسکتا ہے جو انہی افراد کی فلاح کا باعث ہے۔ اصلاحِ معاشرہ سے مراد معاشرتی خرابیوں کا سدباب کر کے، انفرادی اور اجتماعی سطح پر اخلاقی، روحانی، فکری اور عملی بہتری پیدا کرنا ہے۔ اسلام کی رو سے معاشرتی اصلاح کا مطلب ہے کہ انسانوں کا ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے جو عدل، اخوت، محبت، دیانت، اور تقویٰ پر قائم ہو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى (القرآن، المائدہ:2)

ترجمہ: "نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔" اصلاحِ معاشرہ اسی نیکی، بھلائی اور خیر کے فروغ کا دوسرا نام ہے۔

اصلاحِ معاشرہ فرد اور قوم دونوں کے لیے نجات کا راستہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ (امام بخاری، صحیح البخاری، باب العبد، راع فی مال سیدہ، رقم الحدیث ۲۵۵۸)

ترجمہ: "تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہو گا۔"

یعنی ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دائرے میں رہ کر اصلاح کرے۔ اصلاح شدہ معاشرہ پرامن معاشرتی زندگی کے لیے بہت ضروری ہے۔ یہ امن، محبت اور بھائی چارے پر قائم ہوتا ہے اور جھگڑے، تعصب، اور فساد کا خاتمہ کرتا ہے۔ اقبال کی شاعری کا ایک بنیادی مقصد فرد اور ملت دونوں کی اصلاح ہے۔ رموزِ بیخودی میں وہ فرد کو ملت سے جوڑتے ہیں اور ایک مربوط معاشرتی نظام کی تشکیل کا تصور پیش کرتے ہیں۔

یعنی فرد کے لیے معاشرے سے ربط رکھنا باعث رحمت ہے۔ اس کے جوہر کو کمال ملت کے دم قدم سے ہی ملتا ہے۔ اقبال فرماتے ہیں کہ جہاں تک ممکن ہو، معاشرے کے ساتھ اپنا ربط قائم رکھو تاکہ آزاد منش لوگوں کے رفیق بن جاؤ۔ وہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو اپنی جان کا تعویذ بنانے کا حکم دیتے ہیں کہ شیطان جماعت یعنی معاشرے سے دور بھاگتا ہے اور تنہا فرد کو ورغلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اقبال فرد اور قوم کو ایک دوسرے کے لیے آئینے کی مانند قرار دیتے ہیں اور قوم کو ایک دھاگے کی مانند قرار دیتے ہیں جو موتیوں یعنی افراد کو ایک ہی لڑی میں پرو دیتی ہے۔ ان کے نزدیک فرد قوم سے متصل ہو کر ایک نظام میں ڈھل جاتا ہے۔

اقبال نے رموز بیخودی میں افراد کے باہمی ارتباط سے ملت کے وجود کی تشکیل پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس داستان کا آغاز تو معلوم نہیں کہ انسانوں کا باہمی ربط کس طرح وجود میں آیا۔ ہم معاشرے میں فرد کو باغ سے پھول کی مانند چن لیتے ہیں۔ اگرچہ فرد کی فطرت انفرادیت کی خواہش مند ہے مگر اس کا تحفظ صرف اور صرف اجتماعیت سے ممکن ہے۔ زندگی کی مشکلات اسے انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف لے آتی ہیں اور وہ آپس میں ایسے مانوس ہو جاتے ہیں جیسے موتی ایک لڑی میں پرو دیئے گئے ہوں۔ اقبال کا پیغام انفرادی اصلاح کے بعد اجتماعی شعور اور ملت کی وحدت کی طرف بڑھتا ہے۔ ان کے نزدیک ایک فلاحی معاشرہ وہی ہو سکتا ہے جو

دین کی اساس پر قائم ہو، جہاں تمام افراد آپس میں اخوت، مساوات، اور یکجہتی کے بندھن میں جُڑے ہوں، جہاں فرد کو قوم سے احترام ملتا ہے اور قوم افراد سے نظام کی تشکیل کرتی ہے۔ فرد کا ملت میں اپنے وجود کو ضم کر دینا قطرے کا سمندر کا حصہ بن جانا ہے:

فرد می گیرد ز ملت احترام
ملت از افراد می یابد نظام
فرد تا اندر جماعت گم شود
قطرہ وسعت طلب قلزم شود

(رموز بیخودی، ص۹۹)

امتِ مسلمہ کو تنبیہ کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنی وحدت کھو دی تو ہم بھی ماضی کا قصہ بن جائیں گے، اس لیے ہمیں یکجہتی کا مظاہرہ کرنا چاہیے:

چو موج از بحر خود بالیدہ ام من
بخود مثل گہر پیچیدہ ام من
ازآن نمرود با من سرگران است
بہ تعمیر حرم کوشیدہ ام من

(ارمغان حجاز، ص۸۱۱)

اقبال کے فارسی کلام میں خودی کو فرد کی روحانی، فکری اور اخلاقی بیداری کا مرکز قرار دیا گیا ہے۔ جب ایک فرد اپنی خودی کو پہچان کر سنوار لیتا ہے، تو اس کی شخصیت ایک موثر، بیدار اور مثبت قوت بن کر معاشرے میں تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔

اقبال نے سب سے پہلے فرد کی اندرونی طاقت یعنی "خودی" کو بیدار کرنے کی دعوت دی۔ ان کے نظریہ خودی کی بنیاد حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی کے اس قول پہ ہے کہ "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ"، یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا گویا اس نے خدا کو پہچان لیا۔ اقبال کے نزدیک معاشرتی اصلاح فرد کی اصلاح کے بغیر ممکن نہیں۔ فرد جب تک اپنے باطن کو دریافت نہیں کرتا اور اپنی خودی کو بیدار نہیں کرتا، معاشرتی اصلاح کی طرف قدم نہیں بڑھایا جاسکتا۔ ان کے نزدیک خودی کی تعمیر فرد کی اصلاح کا پہلا قدم ہے اور فرد کی اصلاح ہی دراصل معاشرے کی اصلاح کی بنیاد ہے۔ وہ خودی کو منبع کائنات سمجھتے ہیں اور اس کی بیداری کو کائنات کا آغاز قرار دیتے ہیں:

اقبال نے خودی کی پہچان کے تین مراحل اطاعت، ضبط نفس اور نیابت الٰہی بیان کئے ہیں۔ وہ فرد کو اونٹ کی طرح اطاعت کا حکم دیتے ہیں جو خدمت اور محنت کو اپنا شعار بنا کر صبر و مستقل مزاجی سے سر جھکائے اپنی منزل کی طرف چلتا رہتا ہے۔ وہ صحراؤں میں مسلسل چلتا رہتا ہے۔ کم کھانا، کم سونا اور لگن سے چلتے رہنا اس کا معمول ہے۔ اقبال اپنے نوجوان کو تلقین کرتے ہیں کہ تو بھی اپنے فرائض سے

سر تابی نہ کر تا کہ اللہ تعالیٰ سے اچھا مقام و مرتبہ پا سکے۔ وہ انسان کو نظم و ضبط کا عادی بن کر اطاعت الٰہی کا حکم دیتے ہیں کیونکہ نظم و ضبط سے ہی اختیار پیدا ہوتا ہے۔ وہ شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سختی سے عمل کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قانون کی سختی کی شکایت نہ کر اور خود کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مقرر کردہ حدود سے باہر نہ نکلنے دے:

شکوہ سنجِ سختیِ آئین مشو
از حدودِ مصطفیٰ بیرون مرو

(اسرار خودی، ص۵۸)

خودی کے دوسرے مرحلے میں اقبال اونٹ کی ذات کے منفی پہلوؤں سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں کہ کہیں تمہارا نفس بھی اونٹ کی طرح خود پرست، خود سوار و خود سر نہ ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ مرد بن کر اس کی لگام اپنے ہاتھ میں لے لے کہ اگر تو ٹھیکری بھی ہے تو گوہر بن جائے گا۔ جو اپنے اوپر حکمرانی نہیں کر سکتا، لامحالہ وہ دوسروں کے حکم کے ماتحت آجاتا ہے۔

خودی کا تیسرا مرحلہ نیابت الٰہی ہے۔ جب انسان اپنی خودی کی پہچان کر لیتا ہے اور اطاعت اور ضبط نفس کے مراحل بخوا حسن طے کر لیتا ہے تو وہ اس مقام جلیلہ پر فائز ہو جاتا ہے جس کے لیے آدم کی خِلقت کی گئی اور "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" کا ارادہ ظاہر کیا گیا۔ اقبال کہتے ہیں کہ اگر تو شتر بان ہے تو اپنے نفس پر قابو پا کر دنیا پر حکومت کرے گا اور حضرت سلیمانؑ جیسی بادشاہت کا تاج تیرے سر کی زینت بنے گا۔ جب تک یہ دنیا باقی ہے، تو اس کی زینت رہے گا اور ایسی سلطنت کا تاجدار بنے گا جو کبھی ختم نہ ہو گی۔ ان کے نزدیک عشق و محبت خودی کے استحکام کا ذریعہ ہے۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو عشق کا مرکز و محور قرار دیتے ہیں اور امت کو ان سے وابستگی کی تلقین کرتے ہیں۔

اقبال نے ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو تمام اقوام کے لیے قابل تقلید قرار دیا ہے کہ انہوں نے دنیا میں عدل و انصاف کا نظام قائم کیا اور نسلی بادشاہت کا خاتمہ فرمایا۔ مسلمان کے دل میں ان کا بہت مقام و مرتبہ ہے اور ہماری عزت و آبرو انہی کے دم قدم سے ہے۔ کوہ طور جیسا عظمت والا پہاڑ ان کے گھر کے گرد و غبار کی ایک لہر کی مانند ہے۔ ان کا گھر کعبہ کے لیے بھی بیت الحرام کا درجہ رکھتا ہے:

در دلِ مسلم مقام مصطفیؐ است
آبروے ما ز نامِ مصطفیؐ است
طور موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

(اسرار خودی، ص۳۹)

حافظ شیرازی نے کہا تھا کہ جس کا دل عشق سے زندہ ہو گیا، وہ کبھی نہیں مرتا، سو اس عشق کی وجہ سے اس دنیا کے جریدے پر ہمارا اثبات ہمیشہ کے لیے لکھا جا چکا ہے:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(حافظ شیرازی، دیوان حافظ، ص۸)

علامہ محمد اقبال کی فکر میں وحدت ملت نہایت اہم تصور ہے۔ وہ اس بات پر نالاں ہیں کہ مسلمان فرقہ واریت، قوم پرستی اور سیاسی تقسیم کے باعث ٹکڑوں میں بٹ گئے ہیں جبکہ اسلام عالمگیر اخوت، مساوات اور وحدت کا پیغام دیتا ہے۔ ان کے نزدیک ملت اسلامیہ صرف جغرافیائی یا نسلی اکائی نہیں بلکہ روحانی و اخلاقی جماعت ہے جس کی بنیاد کلمہ توحید، رسالت اور مشترکہ تہذیب پر ہے۔ وہ ملت واحدہ کے تصور کو قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کو فرقوں، قوموں اور علاقوں میں تقسیم ہونے کے بجائے ایک امت بننے کی دعوت دیتے ہیں۔ اقبال امت کو یاد دلاتے ہیں کہ جب تک وہ وحدتِ فکر، وحدتِ عمل اور وحدت مقصد کو نہیں اپنائیں گے، وہ ذلت اور غلامی سے نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ ایسی ملت کے قیام کے خواہاں ہیں جو رنگ و نسل سے بالاتر، عدل و احسان پر قائم اور توحید کے پرچم تلے متحد ہو۔ ان کے خیال میں وحدت ملت ہی مسلمانوں کو سیاسی، فکری اور روحانی عروج کی طرف لے جا سکتی ہے:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

(بانگ درا، ص۲۶۵)

علامہ اقبال کے کلام میں حقوق و فرائض کا تصور محض معاشرتی، قانونی یا سماجی نہیں بلکہ اس کی بنیاد روحانی، فکری اور اخلاقی اقدر پر ہے۔ ان کے نزدیک کوئی فرد تبھی عزت و احترام کا مستحق ہے جب وہ اپنی ذمہ داریاں بہ احسن ادا کرے۔ ان کے نزدیک حقوق اور فرائض ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ وہ انسان کو اپنے حقوق کا طالب دیکھنے کی بجائے اپنے فرائض کا شعور رکھنے والا دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ ان کے نزدیک خودی کی تکمیل تب ہی ممکن ہے جب انسان اپنے فرائض پہچان لے اور انہیں دیانتداری سے ادا کرے۔ خودی کے مرحلہ اول "اطاعت" میں نصیحت کرتے ہیں کہ تو اپنے فرائض سے روگردانی نہ کر تا کہ اللہ کے حضور اس کا اچھا صلہ پائے:

تو ہم از بار فرائض سرمتاب
بر خوری از عندہ حسن المآب

(اسرار خودی، ص۵۷)

اقبال کے ہاں عدل و مساوات فلاحی معاشرے کے بنیادی ستون ہیں۔ ان کے نزدیک ایسی کوئی حکومت قابل قبول نہیں جو عدل سے خالی ہو اور انسانوں میں کسی قسم کا امتیاز پیدا کرے۔ وہ عدل کو اسلام کی روح اور انسانیت کی بقا کا ضامن قرار دیتے ہیں کہ جہاں کسی کو رنگ، نسل، زبان کی بنیاد پر کوئی فضیلت نہیں۔ وہ محمود و ایاز کو عدل کی تلوار کے سامنے ایک ہی صف میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہ عدل صرف ظالم کے جبر کے خلاف احتجاج نہیں بلکہ سماجی ظلم و ستم کا خاتمہ کرنے کے لیے ایک فعال، عملی قوت کے طور پر سامنے آتا ہے۔ عدل و مساوات کا ایک واقعہ اقبال نے اسرار و رموز میں بیان کیا ہے کہ سلطان مراد نے کسی معمار سے مسجد بنوانے کی خواہش ظاہر کی۔ جب مسجد تیار ہوئی تو سلطان نے معمار کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ معمار اسی کٹے ہوئے ہاتھ سے قاضی کے پاس گیا اور انصاف کی فریاد کی۔ قاضی نے بادشاہ کو طلب کر کے مقدمہ سنا اور اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے قاضی کے حکم کے سامنے سر جھکا دیا اور اپنا ہاتھ آستین سے آگے بڑھا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر معمار راضی ہو گیا اور بادشاہ کو معاف کر دیا۔ اقبال کہتے ہیں کہ قانون کی نظر میں بادشاہ ہو یا مزدور، سب برابر ہیں اور یہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کمال ہے۔

اقبال کا فارسی کلام فلسفہ، تصوف، روحانیت، اور سیاسی شعور کی حسین آمیزش ہے۔ مثلاً *اسرارِ خودی* میں وہ خودی کی ماہیت، اس کی تربیت، اور اس کے ارتقاء پر روشنی ڈالتے ہیں، وہ خودی کو فرد کی تربیت کے لیے لازم قرار دیتے ہیں کہ خودی عرفان ذات ہے۔ وہ اپنے پیغام کی آفاقیت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ان کا پیغام کسی خاص دور، قوم یا خطے تک محدود نہیں بلکہ یہ افکار ہر زمانے اور ہر قوم کے لیے آفاقی ہوں گے۔ ان کی شاعری صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ بنی نوع انسان کے لیے چراغ ہدایت ہے:

بامم از خاور رسید و شب شکست
شبنمِ نو بر گلِ عالم نشست
نغمہ ام از زخمہ بے پرواستم
من نوائے شاعر فرداستم
عصرِ من دانندۂ اسرار نیست
یوسفِ من بہرِ این بازار نیست
اے بسا شاعر کہ بعد از مرگ زاد
چشمِ خود بربست و چشمِ ما گشاد
ہیچکس رازی کہ من گویم نگفت
ہمچو فکر من دُرِ معنی نسفت

(اسرار خودی، ص۲۶)

ایک نئی صبح مشرق سے طلوع ہو چکی ہے اور رات کا اندھیرا ختم ہو چکا ہے۔ کائنات کے گلشن میں میرے آنسوؤں کی شبنم پڑ چکی ہے۔ میں ایسا نغمہ ہوں جو مضراب سے بے پرواہ ہے۔ میں آنے والے کل کا شاعر ہوں۔ میرا زمانہ میرے اسرار و رموز سے آگاہ نہیں ہے۔ میری شاعری ان کی فہم و فراست سے بالا ہے۔ بہت سے شاعر ایسے ہیں جو اپنی وفات کے بعد پیدا ہوئے۔ ان کے آنکھیں موندتے ہی ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ جو راز میں بیان کر رہا ہوں وہ کسی اور نے بیان نہیں کئے۔ کسی نے میری طرح معانی کے موتیوں کو لڑی میں نہیں پرویا۔

اقبال کا فارسی اسلوب بلیغ اور فصیح زبان پر مشتمل ہے۔ انہوں نے فارسی زبان کو اپنے افکار کا نہایت کامیاب ذریعہ بنایا اور امت کو کھوئے ہوئے مقام کی جستجو اور عمل پیہم کا درس دیا۔ ان کی فارسی شاعری ان کے خیالات کا جامع اور گہرا اظہار ہے۔ فارسی زبان میں انہوں نے اپنی فلسفیانہ، دینی، روحانی اور سیاسی آراء کو فکری بلندی اور فنکارانہ مہارت کے ساتھ پیش کیا۔ عصرِ حاضر کا انسان جو روحانی خلا، فکری انتشار، اخلاقی زوال اور سماجی بے راہ روی کا شکار ہے، اس کے لیے اقبال کی فارسی شاعری ایک نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

عصرِ حاضر کا انسان ٹیکنالوجی، سائنسی ترقی، اور مادی عیش و عشرت کے باوجود فکری بحران، روحانی بے سمتی، اخلاقی زوال، اور سماجی انتشار کا شکار ہے۔ اس دور میں علامہ اقبال کی تعلیمات پہلے سے کہیں زیادہ معنویت رکھتی ہیں۔ اقبال نے جو اصلاحی پیغام اپنی فارسی شاعری میں دیا تھا، وہ آج کے عالمی اور اسلامی معاشرے کے مسائل کا ایک جامع حل پیش کرتا ہے۔ آج کا انسان ترقی کے باوجود اندر سے کھوکھلا ہے۔ اقبال نے اس خلا کو تعمیر خودی کے ذریعے پُر کرنے پر زور دیا تھا۔ اقبال نے مغرب کی مادہ پرستی اور روحانی بے بسی پر کھل کر تنقید کی اور انہیں مغرب کے ان فتنوں سے آگاہی دی۔ عصر حاضر میں مسلم امہ قومیت، نسلیت اور سیاسی مفادات کے نام پر منقسم ہے، اقبال کا تصور امت آج کے دور کی سب سے اہم ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر متحد ہونا چاہیے۔

آج کی تعلیم معلومات کا بیش بہا خزانہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہے لیکن دل اور روح کے لیے پژمردگی کا باعث ہے۔ اقبال کا تصور تعلیم کردار سازی پر زور دیتا ہے اور مقصد حیات سے مربوط ہے۔ عصر حاضر میں سیاست مفاد پرستی، کرپشن اور جھوٹ کے گرد گھومتی ہے۔ اقبال نے سیاست کو دین کی پاسداری کرتے ہوئے اخلاقیات اور خدمت خلق سے جوڑنے کی تلقین کی۔ موجودہ دور کے فکری، سماجی، سیاسی، روحانی اور اخلاقی مسائل کا حل علامہ اقبال کی تعلیمات (بشمول نثر و شاعری) میں موجود ہے اور ان کے افکار محض ماضی کی یادگار نہیں بلکہ موجودہ چیلنجز سے نمٹنے کے لیے قابل عمل فلسفہ کی صورت میں موجود ہیں۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم ان کی تعلیمات کو روایتی طور پر نہ سمجھیں بلکہ انہیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا عملی دستور بنائیں۔

کتابیات

1۔ اقبال، علامہ محمد، بانگ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء

2۔ اقبال، علامہ محمد، کلیات اقبال فارسی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۰ء

3۔ القرآن الکریم

4۔ حافظ شیرازی، دیوان حافظ شیرازی، مقدمہ سید محمد رضا جلالی نائینی، انجمن خوش نویسان ایران، ۱۳۷۱

5۔ رومی، جلال الدین، کلیات دیوان شمس تبریزی (با مقدمہ: استاد جلال الدین همایی، انتشارات صفی علیشاہ، ۱۳۷۱

6۔ نظیری، محمد حسین، دیوان نظیری نیشاپوری، بہ تصحیح محمد رضا طاہری، مؤسسہ انتشارات نگاہ، تہران، ۱۳۷۹

References in Roman Script:

1. Iqbal, Allama Muhammad, Bang-e-Dra, Sheikh Ghulam Ali & Sons, Lahore, 1988

2. Iqbal, Allama Muhammad, Kulliyat-e-Iqbal (Farsi), Iqbal Academy Pakistan, Lahore, 1990

3. Al-Qur'an al-Kareem

4. Hafiz Shirazi, Diwan-e-Hafiz Shirazi, Muqaddama: Syed Muhammad Raza Jalali Naeeni, Anjuman-e-Khosh Nivisan Iran, 1371 (Hijri Shamsi)

5. Rumi, Jalal al-Din, Kulliyat-e-Diwan-e-Shams Tabrizi (Ba Muqaddama: Ustad Jalal al-Din Humayi), Intisharat-e-Safi Alishah, 1371 (Hijri Shamsi)

6. Naziri, Muhammad Husain, Diwan-e-Naziri Nishapuri, Tahqiq: Muhammad Raza Taheri, Mo’assasa-ye Intisharat-e-Nigah, Tehran, 1379 (Hijri Shamsi)